مولانا محمد حذیفہ صاحب
رفیق دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

حج کے ضروری مسائل

گذشتہ سال ذی الحجہ کے شمارے میں ایک مضمون شائع کیا گیا تھا جس میں حج کے ضروری مسائل بیان کئے گئے تھے یہ مسائل چونکہ عام طور پر حجاج خواتین وحضرات کو پیش آتے رہتے ہیں اس لئے یہ مضمون دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔۔۔(ادارہ)

سوال نمبرا: گذشتہ کئی سالوں سے ایک مسئلہ حج کے موقع پر حجاجِ کرام کو پریشان کرتا ہے کہ سعودیہ میں مرغی کا گوشت برازیل سے آتا ہے جس کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، بعض علماء مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس گوشت سے احتیاط بہتر ہے، جبکہ بعض علماء مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔ برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔

جواب: سعودی عرب میں ملنے والی مرغیاں جن کے بارے میں اکثر مشہور ہے کہ وہ برازیل یا دیگر غیر مسلم ممالک سے درآمد ہوتی ہیں اگر زندہ ہوں تو شرعی طریقہ سے ذبح کرکے ان کا کھانا جائز ہے، لیکن اگر وہ ذبح شدہ ہوں تو اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ :

جن مرغیوں کے بارے میں صراحت کے ساتھ معلوم ہو کہ واقعۃً یہ شرعی شرائط کے مطابق ذبح کی گئی ہیں اُن کا کھانا جائز ہے، اور جن کے بارے میں صراحت کے ساتھ معلوم ہو کہ ان کے ذبح کے وقت شرعی شرائط کی پابندی نہیں کی گئی تو ان کا کھانا جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی گوشت مسلمانوں کی طرف سے حلال سرٹیفکیٹ کے ساتھ فروخت ہورہا ہو اور اس کے بارے میں یہ تفصیل معلوم نہ ہو کہ جس فارم میں وہ ذبح کیا گیا ہے اس میں شرعی شرائط پوری ہوئی ہیں یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی مرغی کے گوشت سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ ایسا

گوشت بکثرت غیر مسلم ممالک سے درآمد ہوتا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ایسی سامنے آئی ہیں جن میں غیر ذمہ دارانہ طور پر حلال کے سرٹیفکیٹ جاری کردیئے گئے ہیں، اس لئے صحیح صورتحال واضح ہونے تک احتیاط بہتر ہے، تاہم اگر حاجت کے وقت مسلمان ملک میں، مسلمان کے فروخت کردہ گوشت کو خرید کر کھالیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ مسلمان ملک میں اگر کسی گوشت کو حلال کہہ کر بیچا جارہا ہو یا حلال کہہ کر کھلایا جارہا ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہو، اور عام حالات میں ہر شخص کے لئے یہ تحقیق ضروری نہیں کہ وہ کہاں ذبح ہوا؟ اور کس نے، کس طرح ذبح کیا؟ نیز یہ بھی شریعت کا اصول ہے کہ مسلمان کی خبر دیانات میں معتبر ہوتی ہے، لہٰذا ان اصولوں کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ملک میں حلال کہہ کر فروخت کیا جانے والا گوشت حلال ہو۔

البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہاں کے علاقہ میں گوشت بکثرت غیر مسلم ممالک سے درآمد ہوتا ہے اور اس پر جو حلال سرٹیفکیٹ ہوتا ہے اس کے بارے میں بھی پورا اطمینان نہ ہو تو کھلانے والے سے یا کھانا دینے والے سے اس کی تصدیق کرلی جائے، اگر وہ مسلمان ہے اور شبہ کا کوئی قوی قرینہ موجود نہیں اور وہ اس گوشت کو یقینی طور پر حلال قرار دے تو اس مسلمان کی بات پر عمل کرکے اُسے کھایا جاسکتا ہے، کیونکہ دیانات میں مسلمان کی خبرِ واحد مقبول ہوتی ہے جبکہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ اسی طرح اگر اُس علاقہ کے ثقہ اور قابلِ اعتماد علماء اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے ہوں اور وہ گوشت استعمال کرتے ہوں تو آپ کیلئے بھی اس کے استعمال کی اجازت ہے، ہاں اگر کوئی استعمال نہ کرے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں۔

صحیح البخاری (۱/۱۹۷)

(۵۵۰۷)عن عائشة رضى الله عنها أن قوما قالوا للنبى صلى الله عليه وسلم إن قوما يأتونا (يأتوننا) باللحم لا ندرى أذكر اسم الله عليه أم لا فقال سموا عليه أنتم وكلوه قالت وكانوا حديثى عهد بالكفر.

فتح البارى -ابن حجر(۶۳۵/۹)

ویستفاد منه أن کل ما یوجد فی اسواق المسلمین محمول علی الصحة وکذا ما ذبحه اعراب المسلمین لأن الغالب إنهم عرفوا التسمیة وبهذا الأخیر جزم بن عبد البر فقال فیه أن ما ذبحه المسلم یؤکل ویحمل علی أنه سمی لأن المسلم لا یظن به فی کل شیء الا الخیر حتی یتبین خلاف ذلک.

مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (۱۰/۱۶۷)

وعن أبی هریرة قال قال رسول الله إذا دخل أحدکم علی أخیه المسلم فلیأکل من طعامه ولا یسأل أی من أین هذا الطعام لیتبین أنه حلال أم حرام ویشرب بالجزم من شرابه ولا یسأل فإنه قد یتأذی بالسؤال وذلک إذا لم یعلم فسقه کما ینبیء عنه قوله علی أخیه المسلم.

الفتاوی الهندية(۳/۲۱۰)(الباب العشرون فی البیاعات المکروهة والأرباح الفاسدة)

رجل اشتری من التاجر شیئا هل یلزمه السؤال أنه حلال أم حرام قالوا ینظر إن کان فی بلد وزمان کان الغالب فیه هو الحلال فی أسواقهم لیس علی المشتری أن یسأل أنه حلال أم حرام ویبنی الحکم علی الظاهر وإن کان الغالب هو الحرام أو کان البائع رجلا یبیع الحلال والحرام یحتاط ویسأل أنه حلال أم حرام.

البحر الرائق (۸/۱۹۳)

وفی جامع الجوامع :من اشتری لحما وعلم أنه ذبیحة مجوسی وأراد الرد فقال البائع :الذابح مسلم لا یرد ویحل أکله مع الکراهیة.

سوال نمبر۲: حج کے موقع پر پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے حجاج کیلئے ایک وقت طلب معاملہ یہ بھی پیش آتا ہے کہ سرکاری اسکیم سے جانے والے حجاج سعودی بینکوں میں قربانی کیلئے رقم جمع کراتے ہیں، بینک والے زیادہ تر حجاج کو ایک ہی وقت دیتے ہیں، جبکہ بعض تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ بینک جو وقت دیتا ہے اُس وقت تک قربانی کا ہونا مشکل ہے، لہٰذا ترتیب جو کہ احناف کے

ہاں واجب ہے اُس کا اہتمام ممکن نہیں رہتا، برائے مہربانی حل تجویز فرمائیں۔

جواب: فقہاءِ حنفیہؒ کے نزدیک مناسکِ ثلاثہ یعنی رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہے، اور قصداً اس ترتیب کے خلاف کرنے سے دم واجب ہوگا، اسلئے احناف حجاج کیلئے اپنی قدرت و طاقت کی حد تک اس ترتیب کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اور اس سلسلہ میں حنفی مذہب سے تعلق رکھنے والے حجاجِ کرام کی حکومتیں سعودی حکومت سے گفت وشنید کرکے ایسی راہ نکالنے کی کوشش کریں کہ ان کے حجاجِ کرام ترتیب کے مطابق اپنے مناسک ادا کرسکیں، نیز حجاجِ کرام بھی جس قدر اپنے طور پر احتیاط کرسکتے ہیں وہ کریں، مثلاً سعوی حکومت یا بینکوں اور اداروں کی طرف سے اگر قربانی کا کوئی وقت بتایا گیا ہو تو حجِ قران اور تمتع کرنے والے حضرات بتائے ہوئے وقت سے پہلے قصر وحلق نہ کریں، بلکہ حسبِ استطاعت اس قدر تاخیر کے ساتھ حلق یا قصر کریں کہ دل میں ان کی قربانی ہوجانے کا غالب رُجحان پیدا ہوجائے۔

تاہم اگر تمام تر کوششوں کے باوجود حاجی، یوم النحر کے مناسک کو ذکر کردہ ترتیبِ واجب کے مطابق ادا کرنے پر قادر نہ ہو، بلکہ سعودی حکومت کی طرف سے حج پالیسی کے قواعد وضوابط یا دیگر انتظامی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ ترتیب کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کیلئے اپنے اختیار سے قربانی کرنا، کروانا یا اس کے اوقات میں ردّ و بدل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی مجبوری میں اگر ان افعال کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو چونکہ حضراتِ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں اور نہ ہی خلافِ ترتیب کی صورت میں دم واجب ہے، اس لئے اگر رقم کی تنگی کی صورت میں اُن کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دم نہ دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر کوئی دَم دیدے تو بڑے احتیاط کی بات ہے، بلکہ اگر کوئی حاجی سرکاری طور پر بینک کے ذریعہ قربانی کروانے کے بجائے خود قربانی کرسکے یا اپنے قابلِ اعتماد احباب کے ذریعہ کرواسکے اور پھر قربانی ہونے کی اطلاع کے بعد حلق یا قصر کروائے تو زیادہ بہتر ہے اور یہ بے غبار صورت ہے، لیکن جس حاجی کیلئے اس طرح قربانی کرنا مشکل ہو تو وہ بمجبوری سرکاری طور پر بینک کے ذریعہ تفصیلِ بالا کے مطابق قربانی کرواسکتا ہے۔ (و التفصیل فی الفتوی رقم ۱۵۶۴/۳۰

المبسوط للسرخسی (۷۳/۴)

وعلى هذا من قدم نسكا على نسک كأن حلق قبل الرمى أو نحر القارن قبل الرمى أو حلق قبل الذبح فعليه دم عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما لا يلزمه الدم بالتقديم و التأخير.

سوال نمبر۳: امسال حج ۱۴۳۵ھ کے موقع پر حکومتِ پاکستان نے گورنمنٹ اسکیم کے تحت جانے والے حجاج کو تین وقت کا کھانا دیا جس کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ یہ سود کی رقم سے کھلایا جارہا تھا، کیا اگرایسی بات یقینی بھی ہوتو ایسا کھانا حجاج کیلئے جائز تھا یانہیں؟

جواب: جب تک کسی کھانے کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ واقعۃً یہ سود کی رقم سے کھلایا جارہا ہے اس وقت تک محض شک وشبہ کی وجہ سے یا بے سند سُنی سنائی باتوں کی وجہ سے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

حاشية ابن عابدين (۵/۹۸) (مطلب الحرمة تتعدد)

قوله (الحرمة تتعدد مع العلم بها الخ) نقل الحموى عن سيدى عبد الوهاب الشعرانى أنه قال فى كتابه المتن وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين سألت عنه الشهاب ابن الشلبى فقال هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلک.

سوال نمبر۴: آج کل زیادہ تر پرائیویٹ گروپ والے مہنگے ہوٹل میں حاجیوں کوٹھہراتے ہیں، ان فائیو اسٹار ہوٹل میں روزانہ صابن، شیمپو، چائے چینی وغیرہ افراد کے حساب سے دی جاتی ہے، ہوٹل انتظامیہ سے جب بھی معلوم کیا گیا تو جواب ملا کہ صرف استعمال کیلئے ہے، جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ ان چیزوں کی رقم لی جاتی ہے لہٰذا مہمان ان چیزوں کو لے کر بھی جاسکتے ہیں۔ رہنمائی فرمائیں کہ کیا ان چیزوں کو ہوٹل سے لے کر گھر یا کہیں اور جاسکتے ہیں؟

جواب: اگر مذکورہ اشیاء حجاج میں تقسیم کر کے ہر ایک کو فرداً فرداً مالک بنا کر دی جاتی ہوں تو یہ حاجی کی ملکیت ہوں گی اور وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر بھی جاسکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اشیاء تقسیم کر کے نہ دی جاتی ہوں بلکہ صرف استعمال کیلئے ہوٹل میں رکھی جاتی ہوں جیسا کہ عموماً یہی صورتحال ہے تو پھر حجاج

وہ اشیاء صرف استعمال کر سکتے ہیں، اپنے ساتھ باہر نہیں لے جا سکتے، کیونکہ وہ اس کے مالک نہیں ہیں۔

سوال نمبر۵: ایامِ حج میں حرم میں رَش ہوتا ہے، لیکن ابتدائی ایام میں رش نہیں ہوتا، پھر بھی بہت سارے لوگ حرم کے باہر ہوٹل کی مسجد یا ہوٹل کے نیچے لابی میں نماز پڑھتے ہیں، جبکہ حرم کے گیٹ کے سامنے صحن خالی ہوتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اتصالِ صفوف کے معاملہ میں صحن کا حکم مسجد کی طرح ہے کہ جیسے مسجد میں اتصال ضروری نہیں ویسے صحنِ حرم میں بھی ضروری نہیں، (واضح رہے کہ اس صحن میں حائضہ عورت کا جانا بالاتفاق جائز ہے)۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: مذکورہ صورت میں جو لوگ مسجد الحرام کی حدود سے باہر ہوٹل کی مسجد وغیرہ میں کھڑے ہو کر اقتداء کرتے ہیں ان کی نماز درست ہونے سے متعلق یہ تفصیل ہے کہ:

اگر مسجدِ حرام کی جماعت کی صفیں اس ہوٹل کی عمارت تک پہنچ جاتی ہوں اور عمارت اور آخری صف کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ رہتا ہو کہ جہاں سے کوئی کار یا اس جیسی کوئی گاڑی وغیرہ گزر سکے تو مذکورہ عمارت میں سے مسجدِ حرام کی جماعت میں شریک ہو کر وہاں کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے۔

اور اگر صفیں مذکورہ عمارت تک نہیں پہنچتیں بلکہ مسجدِ حرام کی آخری صف اور عمارت کے درمیان اتنا کشادہ راستہ خالی رہتا ہے جہاں سے کار جیسی گاڑی وغیرہ گزر سکے اور دائیں اور بائیں کہیں بھی پچھلی صف کا اگلی صفوں سے اتصال نہ ہو تو وہاں سے مسجدِ حرام کے امام کی اقتداء درست نہیں اور ایسی جماعت میں شامل ہونا بھی درست نہیں۔ (مأخذہ تبویب: ۵۵۴/۵۳)

اور صحنِ مسجد کے حکم کے بارے میں بعض علماءِ کرام کی ذکر کردہ بات درست ہے کہ وہاں نماز ہو جائے گی، لیکن صحنِ مسجد سے ہٹ کر عام راستوں کی صفوں اور ہوٹل یا ان کے لاؤنج میں نماز باجماعت ادا کرنے کے حکم میں وہ تفصیل ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔

مصنف عبد الرزاق (۸۱/۳)

۴۸۸۰. عبد الرزاق عن بن التيمي عن أبيه عن نعيم بن أبي هند عن عمر بن

الخطاب أنه قال فی الرجل یصلی بصلاة الإمام قال إذا کان بینهما نهر أو طریق أو جدار فلا یأتم به.

الفتاوی الهندیة(۱/۸۸)

ولو قام علی دکان خارج المسجد متصل بالمسجد یجوز الاقتداء لکن بشرط اتصال الصفوف کذا فی الخلاصة ویجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو فی بیته إذا لم یکن بینه وبین المسجد طریق عام وإن کان طریق عام ولکن سدته الصفوف جاز الاقتداء لمن فی بیته بإمام المسجد کذا فی التتارخانیة ناقلا عن الحجة.

الدر المختار .(۱/۵۸۴)

(ویمنع من الاقتداء) صف من النساء بلا حائل قدر ذراع أو ارتفاعهن قدر قامة الرجل مفتاح السعادة أو (طریق تجری فیه عجلة) آلة یجرها الثور (أو نهر تجری فیه السفن) ولو زورقا ولو فی المسجد (أو خلاء) أی فضاء (فی الصحراء) أو فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس (یسع صفین) فأکثر إلا إذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقا.

سوال نمبر۶: حج کے موقع پر دیکھا گیا ہے کہ عوام کا ایک جمِ غفیر کعبۃ اللہ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر بیت اللہ کی دیوار یا غلافِ کعبہ پر انگلی سے کچھ لکھنے کی کوشش کرتا ہے، جب پوچھا گیا تو بتایا جاتا ہے کہ جس کا نام لکھا جاتا ہے اس کو اگلے سال حج نصیب ہوتا ہے، جبکہ بعض علماء کی طرف سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا ہے جس میں اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (الآیة) لکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن اکثریت عوام اس آیت سے غافل ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس آیت کو اس طرح لکھنے کی ترغیب قرآن، حدیث۔صحابہ میں کہیں سے وارد ہے؟ اور اگر بعض بزرگان کا معمول رہا بھی ہے تو فسادِ زمانہ کی وجہ سے اب اس کا ترک لازم نہیں؟

جواب: مذکورہ عمل عملیات (وظائف) کے قبیل سے ہے، جس کا تعلق نصوص سے نہیں بلکہ تجربہ

سے ہے، اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول تفسیر کے مطابق یہ آیتِ کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے مقامِ جحفہ میں نازل ہوئی تھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ اگرچہ آپ کو چند روز کیلئے وطنِ عزیز مکہ مکرمہ اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں لوٹا دیں گے، اس تفسیر کی روشنی میں بیت اللہ شریف میں دوبارہ حاضری کیلئے کسی بزرگ نے یہ عمل تجویز کیا ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دوبارہ حج یا عمرہ نصیب فرمائیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے، نیز ہمارے علم کی حد تک خیر القرون میں بھی کسی سے ثابت نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص دوسروں کو تکلیف دیئے بغیر اور ضروری سمجھے بغیر مذکورہ عمل کرلے تو فی نفسہ ممنوع نہیں، لیکن جب کوئی جائز عمل، لوگوں کے اعتقاد کی خرابی یا دیگر مفاسد کا ذریعہ بن جائے اور اس کا التزام کیا جانے لگے اور اس کو حج کا حصہ سمجھا جانے لگے تو ایسی صورت میں بدعت کے ڈر سے اُس جائز عمل کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے، اس لئے اب اس عمل کے اہتمام اور التزام سے بچنا چاہئے، اور اگر مذکورہ آیت بیت اللہ پر لکھے بغیر مکہ مکرمہ سے واپسی کے سفر میں پڑھ کر یہ دعا کرلی جائے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تشریف آوری ہوئی تھی، اسی طرح یا اللہ اس آیت کی برکت سے ہمیں بھی دوبارہ حاضری نصیب فرما تو ایسا کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

تفسیر القرطبی (۱۳/۲۸۴)

قوله تعالى :(إن الذى فرض عليك القرآن لرادك إلى معاد) ختم السورة ببشارة نبيه محمد صلى الله عليه و سلم برده إلى مكة قاهرا لأعدائه قيل :هو بشارة له بالجنة، والأول أكثر وهو قول جابر بن عبد الله وابن عباس و مجاهد وغيرهم .قال القتبى :معاد الرجل بلده لأنه ينصرف ثم يعود وقال مقاتل :خرج النبى صلى الله عليه و سلم من الغار ليلا مهاجرا إلى المدينة فى غير الطريق مخافة الطلب فلما رجع إلى الطريق ونزل الجحفة عرف الطريق إلى مكة فاشتاق إليها فقال له جبريل إن الله يقول (إن الذى فرض عليك القرآن لرادك إلى معاد) أى إلى مكة ظاهرا عليها قال ابن عباس :نزلت هذه الآية بالجحفة ليست مكية ولا مدنية.

سوال نمبر ۷: روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر براہِ راست شفاعت کا سوال کرنا کیا کسی صحیح روایت سے ثابت ہے؟ ہزاروں صحابہ کی موجودگی میں ایک غیر معلوم شخص کی روایت سے استدلال کرنا کیسا ہے؟

جواب: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر سلام عرض کرنے کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنا درست اور معتبر ہے بلکہ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والے کیلئے مناسب اور باعثِ سعادت ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر شفاعت کا سوال کرنے کو غیر معلوم شخص کی روایت سے ثابت کہنا درست نہیں، بلکہ اس کا ثبوت حضراتِ صحابہ کرامؓ اور حضرت عمرؓ کی تائید وتصویب سے ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے اپنی کتاب **تسکین الصدور** ص: ۳۴۷ تا ۳۹۷ میں مفصل اور کافی وشافی بحث فرمائی ہے، اور ثبوت کے دلائل اور اعتراضات کے جوابات بھی بیان فرمائے ہیں، فتویٰ میں اس قدر تفصیل کی گنجائش نہیں، لہٰذا اس کی تفصیل وہیں ملاحظہ کی جائے۔

فتح القدير للكمال ابن الهمام (۳/ ۱۸۱)

ويسأل الله تعالى حاجته متوسلا إلى الله بحضرة نبيه - عليه الصلاة والسلام- وأعظم المسائل وأهمها سؤال حسن الخاتمة والرضوان والمغفرة، ثم يسأل النبى صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول .يا رسول الله أسألک الشفاعة، يا رسول الله أسألک الشفاعة وأتوسل بک إلى الله فى أن أموت مسلما على ملتک وسنتک، ويذكر كل ما كان من قبيل الاستعطاف والرفق به، ويجتنب الألفاظ الدالة على الإدلال والقرب من المخاطب فإنه سوء أدب.

سوال نمبر ۸: مدینہ میں پہنچ کر اکثر لوگوں کی زبان سے ایک جملہ نکلتا ہے کہ سرکار نے بُلا لیا تو ہم چلے آئے۔ کیا یہ کہنا درست ہے؟

جواب: مذکورہ جملہ میں سرکار سے مراد اگر اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ عالمِ ارواح میں ہماری روح نے لبیک کہا تھا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں بُلا لیا تو

اس معنیٰ میں یہ جملہ صحیح ہے۔ لیکن اگر سرکار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد لی جائے اور یہ سوچ کر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بُلایا ہے تو اس معنیٰ میں یہ جملہ کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سوال نمبر۹: حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثلِ اول پر ہوتی ہے، جبکہ بعض قابلِ قدر علماء کو عملاً دیکھا گیا کہ وہ حرمین میں عصر کی نماز مثلین پر پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ اور حرمین میں عصر کی نماز کس وقت پڑھنی چاہیئے؟

جواب: حنفیہ کے اصل اور مفتیٰ بہ مذہب کے مطابق عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، البتہ ائمہ ثلاثہؒ، حضراتِ صاحبینؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔ حرمین شریفین میں نمازِ عصر چونکہ مثلِ اول پر ہوتی ہے اس لئے وہاں کی فضیلت کے پیشِ نظر نمازِ عصر مسجد الحرام اور مسجدِ نبوی کی جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیئے تاکہ مسجد الحرام اور مسجدِ نبوی کی فضیلت حاصل ہو، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے عصر کی نماز کیلئے مثلِ اول پر پہنچنا مشکل ہو تو عذر کی وجہ سے مثلِ ثانی میں بھی نماز باجماعت ادا کی جاسکتی ہے، لیکن اس صورت میں مسجد الحرام اور مسجدِ نبوی کی جماعت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔

الدر المختار (۳۵۹/۱)

(ووقت الظهر من زواله) أى ميل ذكاء عن كبد السماء (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوى وبه نأخذ وفى غرر الأذكار وهو المأخوذ به وفى البرهان وهو الأظهر لبيان جبريل وهو نص فى الباب وفى الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى.

حاشية ابن عابدين (۳۵۹/۱)

قوله (وعنه) أى عن الإمام ح وفى رواية عنه أيضا أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر إلا بالمثلين ذكرها الزيلعى وغيره وعليها فما بين المثل

والمثلين وقت مهمل ....وقد قال فی البحر لا يعدل عن قول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشايخ بأن الفتوى على قولهما كما هنا قوله (وعليه عمل الناس اليوم) أی فی كثير من البلاد والأحسن ما فی السراج عن شيخ الإسلام أن الا حتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل وأن لا يصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مأديا للصلاتين فی وقتهما بالإجماع وانظر هل إذا لزم من تأخيره العصر إلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولى التأخير أم لا والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام تأمل ثم رأيت فی آخر شرح المنية ناقلا عن بعض الفتاوی أنه لو كان إمام محلته يصلی العشاء قبل غياب الشفق الأبيض فالأفضل أن يصليها وحده بعد البياض.

سوال نمبر ۱۰: منیٰ میں نمازوں کی ادائیگی مسافرانہ ہو یا مقیم کے اعتبار سے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ہر سال حج کے موقع پر علماءِ دیوبند اختلاف کا شکار ہوتے ہیں۔ اس بارے میں بھی رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اِس مسئلے میں اختلاف درحقیقت ایک اور اختلاف پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ آج کے دور میں منیٰ اور مکہ مکرمہ دونوں الگ الگ دو مستقل مقامات ہیں یا منیٰ اب مکہ مکرمہ کا محلّہ بن گیا ہے؟ اس سلسلہ میں معاصر علماءِ کرام کی آراء مختلف ہیں:

بعض حضراتِ علماء کرام کا کہنا یہ ہے کہ منیٰ اور مکہ مکرمہ حسبِ سابق دونوں اب بھی دو الگ الگ مقامات ہیں، جبکہ دوسری طرف بعض علماءِ کرام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ کسی مقام کا مستقل ہونا یا کسی مستقل مقام کے تابع ہونا عُرف پر مبنی ہے، لہٰذا آج کے دور میں منیٰ اتصالِ آبادی وغیرہ کی بناء پر عُرف میں مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ بن گیا ہے، اور سعودی حکومت نے بھی منیٰ کو مکہ مکرمہ میں شامل قرار دیدیا ہے، اس لئے اب منیٰ سفر وحضر کے معاملہ میں مکہ مکرمہ کے تابع ہے، مستقل مقام نہیں رہا۔ اور دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کے حضرات کا بھی یہی مؤقف ہے۔

لہٰذا ہماری رائے کے مطابق اگر مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں مقامات پر حاجی کے قیام کی مجموعی مدت

پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہوتو وہ مقیم کہلائیگا،اور مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں مقامات میں نماز پوری ادا کریگا۔اور اگر مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں مقامات میں حاجی کے قیام کی مجموعی مدت پندرہ دن سے کم ہوتو اس صورت میں وہ مسافر کہلائے گا،اور چار رکعت والی صرف فرض نماز میں قصر کرے گا۔

تاہم اگر کسی حاجی کو دیگر علماءِ کرام پر اعتماد ہو اور وہ اُن کی رائے کے مطابق عمل کرلے تو اس کی بھی گنجائش ہے،لیکن فتنہ اور انتشار سے بچنا بہر حال لازم ہے۔(مأخذہ تبویب:۱۶۷۴/۱۵)

الفتاوى الهندية(۱/ ۱۴۰)

لو نوى الإقامة خمسة عشر يوما فى موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما وإن كان أحدهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيما .

سوال نمبر۱۱: دس ذی الحجہ یوم النحر کو جمرات سے واپس خیموں میں جانے والے تمام راستے بند کر دیئے جاتے ہیں تو بعض گروپ والے رمی کرنے کے بعد عزیزیہ چلے جاتے ہیں، وہاں قربانی ہونے تک انتظار کرتے ہیں، اُس کے بعد احرام اتار کر واپس منیٰ یا حرم چلے جاتے ہیں، اس دوران تقریباً پانچ چھ گھنٹے عزیزیہ میں رہنا پڑتا ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟ اسی طرح بعض حضرات بلاعذر عزیزیہ میں رہتے ہیں اور صرف رمی کرنے کیلئے منیٰ آتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

جواب: ایامِ رمی کی راتیں منیٰ میں گزارنا حضراتِ فقہاءِ احناف ؒ کے نزدیک سنت ہے اور بلاعذر سنت کو نہ چھوڑنا چاہیئے، لہٰذا سوال میں ذکر کردہ عذر کی وجہ سے چند گھنٹوں کیلئے بعض حجاجِ کرام کے عزیزیہ میں رہنے میں مضائقہ نہیں۔ البتہ بلاعذر منیٰ کا قیام ترک کرنا اور عزیزیہ ہی میں رہنا اور وہیں سے جمرات کی رمی کے لئے آنا خلافِ سنت ہے۔

بدائع الصنائع(۲/ ۱۵۹)

فإذا طاف طواف الزيارة كله أو أكثره حل له النساء أيضا .....ثم يرجع إلى منى ولا يبيت بمكة ولا فى الطريق هو السنة لأن النبى هكذا فعل ويكره أن يبيت فى غير

منی فی أیام منی فإن فعل لا شیء علیه ویکون مسیئا لأن البیتوتة بها لیست بواجبة بل هی سنة وعند الشافعی یجب علیه الدم لأنها واجبة عنده واحتج بفعل النبی وأفعاله علی الوجوب فی الأصل ولنا ما روی أن رسول الله أرخص للعباس أن یبیت بمکة للسقایة ولو کان ذلک واجبا لم یکن العباس یترک الواجب لأجل السقایة ولا کان النبی یرخص له فی ذلک وفعل النبی محمول علی السنة توفیقا بین الدلیلین.

البحر الرائق (۲/۳۶۱)

والبیتوتة بها سنة والإقامة بها مندوبة کذا فی المحیط.

سوال نمبر۱۲: عزیزیہ کی مساجد میں انتہائی رش ہوتا ہے، تو کیا اپنے ہوٹل میں جماعت کا اہتمام کرنے کی گنجائش ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں نماز باجماعت مسجد میں ہی ادا کرنی چاہیئے، کیونکہ مسجد میں فرض نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے، اس کی بڑی تاکید آئی ہے، اگر مسجد کے بجائے ہوٹل میں فرض نماز کی جماعت کرلی تو اگرچہ فی نفسہ جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن مسجد کے ثواب سے محرومی ہوگی، اس لئے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ البتہ اگر رش کی وجہ سے مسجد کی جماعت میں شرکت ممکن نہ ہوسکے تو پھر ہوٹل میں نماز باجماعت ادا کرنا درست ہے۔

فتاوی قاضیخان (۱/۱۴۱) (باب التراویح)

وإن صلی بجماعة فی البیت اختلف فیه المشایخ والصحیح أن للجماعة فی البیت فضیلة وللجماعة فی المسجد فضیلة أخری فإذا صلی فی البیت بجماعة فقد حاز فضیلة أدائها بالجماعة وترک الفضیلة الأخری هکذا قاله القاضی الإمام أبو علی النسفی رحمه الله تعالی والصحیح أن أداء ها بالجماعة فی المسجد أفضل لأن فیه تکثیراً للجماعة وکذلک فی المکتوبات.

سوال نمبر۱۳: مسجدِ نبوی میں کہیں سے بھی سلام عرض کیا جائے تو مواجہہ کے حکم میں ہے۔ ایسا کہنا

درست ہے؟

جواب: مسجدِ نبوی میں کسی بھی جگہ سے سلام عرض کرنے کی وہ فضیلت نہیں ہے جو سامنے سے حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی ہے، تاہم اگر کسی کو خاص مواجہہ شریف پر حاضری کا موقع نہ ملے تو وہ روضہ اقدس کے کسی طرف بھی کھڑے ہوکر سلام عرض کرسکتا ہے۔

(مأخذہ رفیقِ حج، ص: ۲۰۵، مؤلفہ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم)

سوال نمبر۱۴: ریاض الجنۃ میں سوائے ستونِ عائشہ کے کسی اور جگہ نماز کا ثبوت روایات میں نہیں۔ یہ بات درست ہے؟

جواب: یہ بات درست نہیں، بلکہ حضرات علماءِ کرام نے اسطوانہ عائشہؓ کے علاوہ دیگر ستونوں کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرامؓ کے نماز پڑھنے اور دیگر عبادات کرنے کا ثبوت بیان فرمایا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت میں مذکور ہے۔ اسی وجہ سے فقہاءِ کرامؒ نے لکھا ہے کہ چند معروف مخصوص ستونوں کے ساتھ ساتھ مسجدِ نبوی کے دیگر تمام ستونوں کے پاس نماز پڑھنا مستحب ہے۔

مناسک ملا علی القاری (ص:۵۱۸)

(وأما الأساطين الفاضلة فمنها أسطوان) الأظهر أسطوانة لقوله (هى علم المصلى الشريف) وكان سلمة بن الأكوع رضى الله عنه يتحرى الصلاة عندها، . . . .(وأسطوان عائشة رضى الله عنها) . . .(وهى الثالثة من المنبر إلى المشرق)...(فى الصف الذى خلف إمام المصلى)...(روى صلاته صلى الله عليه وسلم إليها)........(وأسطوان التوبة وهى بين اسطوان عائشة والأسطون اللاصقة بشباك الحجرة) . . .(روى صلاته صلى الله عليه وسلم إليها واستناده عليها مما يلى القبلة) . . .(واعتكافه عندها) . . . . .(وأسطوان السرير هذه هى اللاصقة بالشباك) . . .(شرقى أسطوان التوبة روى اعتكافه صلى الله عليه وسلم عندها) . . . .(وأسطوان على رضى الله عنه) . . .(وهى خلف أسطوانة التوبة من جهة

الشمال، وكان على كرم الله وجهه يصلى) أى عندها......فهذه هى الأساطين الخاصة التى ذكرها أهل التواريخ وغيرها، وإلا فكما قال المصنف :(وجميع سوارى المسجد) أى المصطفوى فى أصل بنائها (يستحب الصلاة عندها، لأنها لاتخلو عن النظر النبوى إليها) أى إلى ما كان فى موضعها، وإلا فهى ليست عينها بل غيرها (وصلاة الصحابة عندها) أى فى أماكنها وقربها.

غنية الناسک :(۳۸۳)

ويكثر من الصلاة والسلام على النبى صلى الله عليه وسلم والصيام والصدقة، ويكثر من السنن والنوافل فى الروضة الكريمة خصوصا عند الأساطين الفاضلة.

سوال نمبر۱۵: VISIT ویزہ پر حج عمرہ کرنا درست ہے؟

جواب :اگر وزٹ (VISIT)ویزہ پر حج رعمرہ کرنا قانوناً منع ہوتو اس ویزہ پر حج رعمرہ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ طے شدہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، تاہم اگر کسی نے قانونی ممانعت کے باوجود وزٹ ویزہ پر ارکان وشرائط کی ادائیگی کے ساتھ حج رعمرہ کرلیا تو فی نفسہٖ حج رعمرہ ادا ہوجائے گا، البتہ معاہدہ کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

سوال نمبر۱۶: بعض لوگ جو سعودیہ کے مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں حج کے موقع پر بغیر اجازت حج کرنے آتے ہیں اور بعض گروپ والے ان کو منیٰ میں رہائش وغیرہ دیتے ہیں اور اُن سے معاوضہ لیتے ہیں، جبکہ یہ پورا معاملہ غیر قانونی ہوتا ہے۔ کیا یہ معاملہ غیر شرعی بھی ہے؟ اور یہ رقم لینا حرام کہلائے گا؟

جواب: سعودیہ میں رہائش پذیر لوگوں کیلئے سعودی حکومت کے جائز قوانین کی پابندی شرعاً ضروری ہے، لہٰذا اُنہیں حج ادا کرنے کیلئے بھی حکومت سے اجازت لینا لازم ہے، تاہم اگر کسی نے حکومت کی اجازت کے بغیر حج کے ارکان وشرائط کی ادائیگی کے ساتھ حج کرلیا تو فی نفسہٖ حج ادا ہوجائے گا، البتہ قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔ اور جو رقم لی جارہی ہے اگر وہ جائز خدمات کی اجرت ہو تو فی نفسہٖ اس کو حرام نہیں کہا جائے گا۔

حاشية ابن عابدين (۵/۴۲۲) {مطلب طاعة الإمام واجبة}

قوله (أمر السلطان إنما ينفذ) أی يتبع ولا تجوز مخالفته ..وفی ط عن الحموی أن صاحب البحر ذكر ناقلا عن أئمتنا أن طاعة الإمام فی غير معصية واجبة فلو أمر بصوم يوم وجب اھ۔

مرحوم پر چار طرح احسان کرنا

حضرت ابو اُسید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ انتقال کرچکے، کوئی صورت ایسی ہوسکتی کہ میں اپنے ماں باپ پر احسان کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں چار طریقے سے تو اُن کے ساتھ احسان کرسکتا ہے۔

- ایک تو ان کے حق میں دُعا کرنا۔
- دوسرے جو (اچھی) وصیت یا نصیحت تم کو کی ہے اس پر قائم رہنا۔
- تیسرے جو دوست اُن کے ہیں اُن کی تعظیم اور عزت کرنا۔
- چوتھے، جو اُن کا خاص قرابت والا ہے اس کے ساتھ محبّت اور میل جول رکھنا۔ (نورالصدور ص ۱۲۵)